HABIBIA ISLAMICUS
(The International Journal of Arabic & Islamic Research)
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: http://habibiaislamicus.com
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER: HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,**
Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

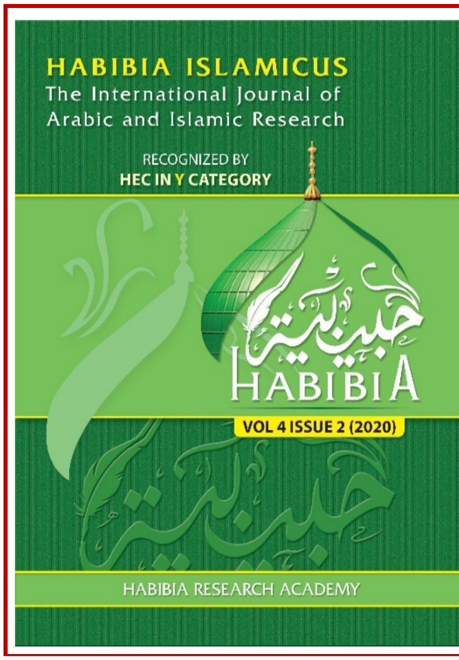

TOPIC:

CONDITIONS FOR THE ISLAMIC STATUS OF DNA IN PROOF LINEAGE

ثبوت نسب میں ڈی این اے کی شرعی حیثیت کیلئے شرائط

AUTHORS:

1. *Zain-ul-Abdin Arijo, Ph.D. Researcher, University of Sindh, Jamshoro. Email: zain.arijo@salu.edu.pk , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-3694-2329*
2. *Dr. Hafiz Munir Ahmed Khan, Dean Facility of Islamic Studies, University of Sindh Jamshoro. Email: hafizmunirahmedkhan@gmail.com, Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-5009-6766*

How to Cite: *rijo, Zain-ul-Abdin, and Dr. Hafiz Munir Ahmed Khan. 2020. "CONDITIONS FOR THE ISLAMIC STATUS OF DNA IN PROOF LINEAGE : ثبوت نسب میں ڈی این اے کی شرعی حیثیت کیلئے شرائط". Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 4 (2):143-52. https://doi.org/10.47720/hi.2020.0402u12.*
URL: http://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/144

Vol. 4, No.2 || July –December 2020 || P. 143-152
Published online: 2020-12-14

QR. Code

CONDITIONS FOR THE ISLAMIC STATUS OF DNA IN PROOF LINEAGE

ثبوت نسب میں ڈی این اے کی شرعی حیثیت کیلئے شرائط

Zain-ul-Abdin Arijo, Hafiz Munir Ahmed Khan

ABSTARCT:

Genetics is the study of heredity principles and their relative mechanisms or the process of traits are transferred from parents to next generations. Biotechnologists can help the families to solves their problems by means of assisted reproduction and allied technologies offering new horizons of understanding the kinship. Also suggest the possible strategies to manage the inherited incidences related to kinship. As for fruitful productivity of genetic engineering, religion should be intrinsically compatible. Biotechnology attempts to explain the reality and basic principles of human inheritance by means of DNA sequences. Describing the Islamic worldview on counselling the importance of inheritance is a comprehensive approach to familiarise the ummah. For this, genetics could be a holistic and universal tool to begin with. In this paper, the principle sources of Islamic Shariah law are al-Quran and Sunnah along with other Islamic principles such as ijmaa with Qawaid Fiqhiyyah and Maqasid al-Shariah will also be applied to frame the scope of genetics in Islamic ethical guidelines. Such guidelines could be used to brief the many segments of society such as students, general public, biologists, law enforcement agencies and regulating stakeholders. These guidelines will deliver a comprehensive, practical and applicable view on Islamic law while welcoming the latest discoveries of genetic engineering and advanced biotechnology. In conclusion, genetics with Islamic ethics is the most appropriate platform to brief and guide the society on the adequacy of current genetics and modern biotechnology development, while focusing on the science of genetics and applying it to our lives with an Islamic perspective.

KEYWORDS: *Genetic variation, gene confirmation in Shariah, genetic counselling, genetic inheritance.*

تمہید: شریعت اسلامیہ نسب کے معاملہ میں کس قدر محتاط اور حساس ہے اور ہر ممکن کوشش کرتی ہے کہ نسب کسی طرح ضائع نہ ہو اور سوسائٹی میں کوئی ایسا بچہ نہ رہے جس کا نسب قانونی طور پر ثابت نہ ہو۔اس لیے اس نے ظاہر فراش، شہادت، اقرار اور بعض دقہا کے نزدیک قیافہ اور قرعہ کو بھی ثبوت نسب کے وسائل کے طور پر قبول کیا ہے۔ ثبوت نسب کے لیے محض ایک عورت کی شہادت، ممکنہ دعویٰ اور ظاہر فراش کو کافی قرار دیا ہے۔ گویا شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ثبوت نسب کے بارے میں ایسے کسی ثبوت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جس میں کچھ بھی واقعیت بھی ہو۔اس پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ کافی حد تک قابل قبول ثبوت ہے، اس سے ایسے مواقع پر استفادہ کی گنجائش ہونی چاہیے جہاں ثبوت نسب میں کسی قسم کا شک وشبہ پایا جائے۔ڈی این اے کی بنیاد در اصل علم التوارث اور خاندانی مشابہتوں پر ہے اور ہر بچہ اپنے ماں باپ سے جو کروموسومز حاصل کرتا ہے وہ تاحیات اس کے اندر موجود رہتے ہیں اس لیے ڈی این اے کو ثبوت نسب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔متنازع مسائل سامنے آنے کی صورت میں بھی ڈی این اے ٹیسٹ کروایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل صورتوں میں اس کے جواز کی صورتیں سامنے آتی ہیں۔

پہلی مبحث: ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کی منطقی بنیادیں: معاصر فقہا کا موقف ہے کہ ڈی این اے کے ذریعے نسب کے اثبات کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ بھی اثبات نسب کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور مکہ مکرمہ کے مجمع الفقہ کی جانب سے یہی موقف نشر کیا گیا ہے [1]۔ البتہ اس کے ساتھ کچھ دیگر امور کو بھی ملحق کیا گیا ہے۔ **پہلا نکتہ: ظنِ غالب:** جس طرح گواہوں، قرائن قاطعہ، ایسے قرائن جو حقیقت پر دلالت کرتے ہوں، احتمال پر نہیں، کیونکہ شریعت نے متعدد احکامات میں حکم کا مدار قرائن پر ہی رکھا ہے، یہ قرائن ظن غالب کا مقام رکھتے ہیں اور ان کو قطعی طور پر مفید کا درجہ نہیں دیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسے احکام میں قرائن کے خلاف آنے والے تمام افکار عام ظن ہونے کی بنا پر مرجوح ہوتے ہیں۔ غالب ظن اس قابل ہوتا ہے کہ اس پر مسائل کی بنیاد رکھی جائے۔ ایسے ہی مسائل میں مجہول النسب کے نسب کا مسئلہ ہے کیونکہ فقہا کے مطابق نسب کا ثبوت بھی نازک اور اہم مسئلہ ہے، اس کو اسی لیے ڈی این اے کے ساتھ مربوط کیا جا سکتا ہے کیونکہ نسب کو مجہول رکھنے سے زیادہ اس کو ثابت کرنا ضروری ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید نے بھی واضح طور پر اعلان کر رکھا ہے کہ انسان کے اندر ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی حیرت انگیز نشانیاں رکھی ہیں جو اس کے متعدد مسائل کو حل کرنے کے لیے کفایت کر جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ عنقریب ہم انھیں اپنی نشانیاں دنیا کے کناروں میں اور ان کے نفسوں میں دکھلائیں گے، یہاں تک کہ ان کے لیے واضح ہو جائے کہ یہی حق ہے اور کیا تیرا رب کافی نہیں اس بات کے لیے کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے [2]۔ اس لیے اس معاملے کو الجھانے سے زیادہ بہتر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کو افادہ عام کے لیے استعمال کیا جائے۔ ممکن ہے کہ جس کو آج دنیا ظن سمجھ رہی ہے، کل وہی قانون کی حیثیت اختیار کر جائے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں علم و تحقیق کا دائرہ خواہ کتنا ہی وسیع ہو یا کسی بھی شعبہ میں ہو یہ سب "سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم" کے تحت اللہ تعالیٰ کی نشانی سے خارج نہیں ہو سکتی ہے۔ انسان کی ظاہری خدوخال اور شکل وصورت اور اس کے مختلف پہلو سے جو جینیٹک سائنس بحث کرتی ہے یا ثبوتِ نسب یا تحقیق جرائم کے لیے جو ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے مدد لی جاتی ہے، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی اور قدرتِ کاملہ ہے۔ ایسی مثالیں فقہا کے ہاں بکثرت ملتی ہیں کہ غلبہ ظن کی بنیاد پر فیصلہ کر دیا گیا ہے مثلاً ایک جزئیہ ہے کہ ایک سواری کے بارے میں دو آدمی لڑ رہے ہوں کہ یہ سواری میری ہے تو جو شخص اس پر سوار ہو گا وہ اس کا مالک ہو گا اور جو اس کی لگام کو تھامے ہوئے ہو گا اس کو سواری سے دستبردار ہونا پڑے گا اس لیے کہ جو سواری پر ہے اس کا تصورف قوی ہے بالمقابل اس کے جس نے لگام کو تھام رکھا ہے [3]۔ اسی طرح ایک بچہ کے متعلق مختلف حضرات کے مدعی ہونے کی صورت مثلاً یہ ہو گی کہ کسی حادثہ اور بھگدڑ کے وقت، یا ہسپتال وغیرہ میں مختلف بچوں کی ولادت کے بعد کسی عملہ کی شرارت وخباثت، یا کسی اور بنا پر اتفاقاً چند بے مخلوط ہو جائیں، ایسی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور یہ ٹیسٹ جس مدعی کی تائید کرے اس کے متعلق فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ثبوت نسب تو بہر حال وہی فراش واقرار سے ہی ہو گا، ٹیسٹ سے ایک فراش کی دوسرے فراش پر صرف

ترجیح ہو گی، یہ ٹیسٹ مفید ظن غالب ضرور ہے اس لیے اس کو ثبوت نسب کا مثبت تو نہیں لیکن صرف مرجح کہا جا سکتا ہے۔ امام ابن قیم نے فراست، قیافہ و قرائن اور شواہد کے حجت ہونے پر کئی آثار و شواہد پیش کیے ہیں۔ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ قرائن و شواہد کی بنیاد پر فیصلہ درست ہے۔ مثلا حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں دو عورتوں نے ایک بچہ کا مقدمہ دائر کیا، دونوں کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے، حضرت داؤد علیہ السلام نے کسی بنیاد پر بچہ کا فیصلہ بڑی عورت کے حق میں کر دیا تو سلیمان علیہ السلان نے کہا کہ میرے پاس چھری لاؤ، میں اس بچہ کو بیچ میں سے چیر کر آدھا اس کو اور آدھا اُس کو دے دیتا ہوں۔ بڑی عورت نے رضامندی کا اظہار کر دیا جب کہ چھوٹی گھبرا گئی اور اس کی ممتا بھڑک اٹھی۔ اس نے کہا کہ آپ یہ بچہ دوسری عورت کو دے دیں /۔ اس کو ذبح مت کریں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بچہ چھوٹی وک عنایت فرما دیا اور انھوں نے بڑی کی رضامندی سے یہ اخذ کیا کہ یہ بچہ اس کا نہیں کیونکہ کوئی ماں اپنے بچے کو اپنے سامنے قتل ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے محض ظنِ غالب کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے اس پر اتفقا کیا تھا کہ ایسی عورت جس کا نہ تو کوئی شوہر ہو اور نہ آقا ہو، اس کو اگر حمل ظاہر ہو جائے تو اس کے بارے میں حدِ زنا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہی موقف امام مالک اور امام احمد کا ہے۔ یہ فیصلہ محض ظنِ غالب اور قرینہ ظاہرہ و قویہ کی بنیاد پر تھا۔ کیونکہ جب کسی عورت کا شوہر یا آقا نہ ہو تو ظاہر سی بات ہے کہ اس کا حمل زنا کا ہی ہو گا۔ صحابہ کرام میں سے حضرت عمر اور ابن مسعود رحی اللہ عنہما نے ایسے شخص کے لیے بھی حد تجویز کی جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو یا اس نے شراب کی قے کی ہو۔ یہ فیصلہ بھی ظن غالب اور قرینہ ظاہرہ کی وجہ سے تھا۔ گواہوں کی بات میں کذب کا احتمال موجود ہوتا ہے اور یہی حال اقرار کا بھی ہے لیکن اگر کسی ملزم کے پاس مال مسروقہ پایا جائے تو یہ نصِ صریح ہو گی اور اس کا حدِ سرقی لگائی جائے گی۔ اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے، اس طرح کی متعدد مثالیں امام ابن قیم نے الطرق الحکمیہ میں ذکر کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ شہادت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق کو ثابت کر دے خواہ وہ دو گواہوں کی شکل میں ہ، چار گواہوں کی شکل میں ہو یا صرف ایک گواہ کی شکل میں ہو۔ قرآن مجید و حدیث میں کہیں بھی دو گواہ مراد نہیں ہیں بلکہ جہاں کہیں بھی بینہ کی بات آءی ہے اس سے مراد حجت، دلیل اور برہان ہے، خواہ ایک ہو یا کئی ایک ہوں۔ اسی قبیل میں سے "البینۃ علی المدعی" ہے۔ چنانچہ جب شریعت میں ان قرائن اور غالب ظن کی تمام قسموں کا اعتبار کیا گیا ہے تو ڈی این اے ٹیسٹ تو کہیں اس سے زیادہ قوی قرینہ ہے، بلکہ شہادت و اقرار سے بھی زیادہ قوی قرینہ قرار دینا ممکن ہے۔ اس لیے کہ شہادت و اقرار میں صدق و کذب کا احتمال موجود ہے، لہٰذا ڈی این اے ٹیسٹ سے استفادہ درست ہو گا۔

دوسرا نکتہ: قیافہ شناسی پر قیاس: شافعی، حنابلہ، مالکی اور ظاہریہ نے ثبوتِ نسب کے لیے قیافہ کو شرعی طور پر تسلیم کر رکھا ہے۔ حالانکہ قیافہ شناس اپنی فراست سے تخمینہ لگا کر ہی کچھ بتاتا ہے۔ عموما اس کے اندازے میں کسی قسم کی خطا کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔ اگر اس کو اپنی کسی بات میں کوئی شبہ محسوس ہو تو وہ اپنی اس بات سے رجوع کر لیتا ہے کیونکہ انسان میں بعض صفات ایسی ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی

ہیں۔ان ظاہری اوصاف کی وجہ سے بعض اوقات قیافہ شناس کو دھوکا ہو جاتا ہے۔اس صورت میں ولدیت کے حوالے سے اس کا حکم ناقابلِ عمل سمجھا جاتا ہے۔اس کے باوجود ثبوت نسب کے لیے قیافہ شناسی کو ایک شرعی طریقہ قرار دیا جاتا ہے۔اس لیے ڈی این اے ٹیسٹ کو قیافہ شناسی پر قیاس کرنا عملی طور پر درست ہے بالخصوص جب یہ صحت اور صداقت کے حوالے سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔اس لیے راجح یہی ہے کہ اس کو ہم قیافہ سے زیادہ راجح قرار دیں۔اگر طے شدہ اصولوں کو ملحوظ رکھ کر ڈی این اے ٹیسٹ کا استعمال کیا جائے تو اس میں غلطی کا احتمال بہت کم ہو گا۔اس کی تفصیل گزشتہ باب میں ذکر کر دی گئی ہے۔حدیث میں بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ثبوتِ نسب کے لیے قرینہ اور قیافہ کا اعتبار کیا تھا۔اس ضمن میں حضرت اسامہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں قائف کے الفاظ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ان هذا الاقدام بعضها من بعض[4] نبی ﷺ کے یہ الفاظ اظہار مسرت پر دلالت کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کثیر تعداد میں ایسے علما ملتے ہیں جن کے ڈی این اے ٹیسٹ کی حیثیت اپنے نتائج اور علم کے اعتبار سے قیافہ سے زیادہ واضح، صحیح اور یقینی ہے۔حضرت عمر کے بارے میں منقول ہے کہ جب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کی اولاد کے بارے میں دعویٰ کرتا تو قیافہ شناس کو طلب کیا جاتا تھا اور اس کے قول پر صحابہ کرام کی موجودگی میں فیصلہ کیا جاتا تھا[5]۔قیافہ شناسی بھی قرائن میں ہی شمار کی جاتی ہے۔قرائن کے بارے میں اکٹر واہبہ زحیلی لکھتے ہیں: "القضاء بالقرائن اصل من اصول الشرع" قرائن کی روشنی میں فیصلہ کرنا شریعت کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے[6]۔انہی قرائن میں سے ایک اہم قرینہ ڈی این اے ٹیسٹ ہے۔یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد شوکت ثنا قاسمی نے یہ موقف ظاہر کیا ہے کہ:"میٹرنٹی ہسپتال میں بہت سارے نومولود بچے خلط ملط ہو جائیں اور معاملہ مشتبہ ہو جائے تو اس صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعے ہر ایک کے والد حقیقی کو متعین کرنے کی گنجائش ہو گی۔اسی طرح نکاح کے بعد اقل مدت حمل(چھ ماہ)میں شک ہو جائے تو اس صورت میں مدت کی تعیین وغیرہ کے لیے ڈاین اے ٹیسٹ سے استفادہ درست ہو گا۔اگر کوئی شخص مطلقہ یا متوفیٰ عنہا زوجہا کے ساتھ شرعی حد کو توڑتے ہوئے مدتِ عدت میں ہی نکاح کر لے، پھر اس کے بعد اس عورت سے بچہ تولد ہوا، اب یہ بچہ شوہر اول کا ہو گا یا شوہر ثانی کا؟اس کی تعیین کے لیے ڈاین اے ٹیسٹ کے ذریعہ مدد لی جائے گی۔وہ شخص جو اپنی بیوی کے ساتھ لعان کا عزم کر چکا ہو، اس کو لعان سے روکنے کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کی مدد لی جاسکتی ہے۔اب اگر ڈی این اے ٹیسٹ سے اس بچہ کا نسب اس کے والد حقیقی سے ثابت ہو تو شوہر کے لیے اسی پر اکتفا کرنا ضروری ہو گا اور اگر ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ اس کے خلاف ہو تو پھر شوہر پر لعان واجب ہو گا[7]"۔ یہاں ملحوظ رہے کہ احناف کے ہاں محض قیافہ سے نسب ثابت نہیں ہوتا ہے۔لیکن غور کیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک بھی مجہول النسب بچوں کے ماں باپ کی نسبت متعین کرنے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کافی ہونا چاہیے۔اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی اثبات دعویٰ کے وسائل میں سے ایک قرائن قاطعہ ہے، اور اس کا ثبوت کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ سے ہے۔حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو خون آلود قمیص لا کر دی تھی، اسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی قرینہ سے پہچانا کہ قمیص خون

آلود تو تھی لیکن پھٹی ہوئی نہیں تھی اور بھیڑیا کا اس طرح کسی کو پھاڑ کھانا کہ اس کے کپڑے نہ پھٹے ہوں تو ناقابلِ تصور ہے[8]۔ یہ قرینہ ہی تو ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر امراۃ عزیز کی تہمت کے سلسلہ میں شیر خوار بچہ کا فیصلہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ اگر ان کا دامن آگے سے چاک ہو تو عزیز مصر کی بیوی راست گو ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہو تو حضرت یوسف علیہ السلام کا دعویٰ برات صحیح ہے[9]۔ اسی طرح نبی ﷺ نے نکاح کی اجازت کے معاملہ میں کنواری لڑکی کی خاموشی کو اس کی اجازت قرار دیا، ظاہر ہے کہ یہ قرینہ ہی کی بنیاد پر فیصلہ ہے۔ حضرت عمر، عثمان، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھم کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے شراب کی قے اور شراب کی بو کی بنیاد پر شراب کی حد لگانے کا فیصلہ کیا۔ اسی پر امام مالک کا بھی عمل ہے۔ اسی طرح ایک بے شوہر عورت حاملہ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر زنا کی حد جاری کی۔ چنانچہ مالکیہ و حنابلہ بھی اس کو حد جاری کرنے کے لیے کافی قرار دیتے ہیں[10]۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام فیصلے قرائن کی ہی بنیاد پر ہیں۔ علامہ ابن فرحون مالکی نے تبصرۃ الحکام میں اور علامہ ابن القیم نے الطرق الحکمیہ میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس لیے ان کے بارے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے کہ کن احکام میں قرائن قاطعہ کا اعتبار ہو گا اور کن میں نہیں، اور کن قرائن کو قاطعہ سمجھا جائے گا اور کن کو ضعیف؟ لیکن فی نفسہ قرائن کے معتبر ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، پس جب اقرار اور بینہ موجود نہ ہوں تو ایسا بچہ جس کی نسبت مجہول یا مشتبہ ہو اس کے سلسلہ میں ڈی این اے ٹیسٹ کا اعتبار ہونا چاہیے۔ 1998 میں کویت میں جنیٹک سائنس اور ڈی این اے کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس نے اپنی قرار دادوں میں یہ سفارش کی تھی کہ ڈی این اوت جینیٹک تحقیقات سے ثبوت نسب کے معاملہ میں استفادہ کرنے میں شرعی طور پر کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کہ آج یہ قطعی قرائن کا درجہ حاصل کر چکے ہیں اور قرائن قطعیہ کا اعتبار فقہا متقدمین کے یہاں معروف ہے[11]۔

تیسرا نکتہ: جدید ٹیکنالوجی کی قبولیت: فقہا نے شخصی حوالوں کو قبول کیا ہے، اسی طرح انسان کی شناخت کے لیے جو جدید ٹیکنالوجی سامنے آ رہی ہے، اس کو بھی فقہا نے قبول کیا ہے۔ یہ سب ذرائع اور وسائل انسان کے امور میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔ ان وسائل میں انگلیوں کے نشانات، دستخط، کیمرے سے بنائی گئی تصویر، شناختی کارڈ وغیرہ شامل ہیں۔ ہم نے شخصی تعارف سے متعلق ان جدید وسائل کے حوالے سے فقہا کی جانب سے انکار پر مشتمل کوئی بات نہیں سنی ہے۔ بلکہ وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح ان وسائل سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ اجماعِ عملی کی صورت بن چکی ہے اور احکام کے اثبات میں اس کا اثر نظر آتا ہے۔ اس بات کا بھی خیال رہنا چاہیے کہ یہ وسائل اسی صورت میں شرعی طور پر قابلِ اعتماد ہوں گے جب ان کی فعالیت مسلمہ ہو اور ان کے نتائج تکنیکی اور ماہرانہ اعتبار سے درست ہوں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں محض ایک وقت کا اثبات کافی نہیں ہے بلکہ اس کے اثبات میں استمرار لازم ہے۔ اسی طرح یہ جدید ٹیکنالوجی (ڈی این اے ٹیسٹ) پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے البتہ اس کے اثبات کا صرف اس شخص کی ولدیت کے حوالے سے اعتماد کیا جائے گا جس کی ولدیت مجہول ہو گی۔

کسی عورت کے لیے اس کی پاک دامنی ہی اس کا خزینہ ہے۔ جب شادی کے بعد مرد کی جانب سے اس پر زنا کا الزام لگے تو یہ الزام ایک ہی وقت میں زنا اور مرد پر قذف کے الزام کے مترادف ہے۔ اگر مرد نسب کی نفی کر دے اور عورت اس الزام کی تکذیب کر دے اور وہ اچھے کہ بچے کا ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جائے تو اس صورت میں نومولود کا ڈی این سے ٹیسٹ کروا کر عورت کے مطالبے کو قبول کرتے ہوئے لعان کو روکنا چاہیے۔ اس سے ایک پاک دامن مسلمان عورت سے تہمت دور ہو سکتی ہے۔ اس کی گنجائش اس لیے بھی موجود ہے کہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں کیونکہ لعان بھی حدود کے ہی قائم مقام ہے۔ ڈی این اے اپنی سائنسی حیثیت سے کم سے کم شبہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہاں یہ حقیقت ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جدید سائنس کوئی غیر مذہبی یا خدا کے انکار پر مبنی نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ کائنات اور اس کے بنائے ہوئے قدرتی عناصر کے ساتھ ہی تشکیل پاتی ہے۔ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی میں آسانی پیدا کرنے اور اس کے جملہ مسائل کو حل کرنے کے لیے کئی منفعت بخش چیزیں پیدا کی ہیں۔ ڈی این اے ٹیسٹ بھی سائنسی ٹیکنالوجی کی ہی ایک قسم ہے۔ اس لیے اس سے استفادہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی میں شمار ہو گا اور اس کا کلی طور پر انکار کر دینا اللہ تعالیٰ کی ناشکری میں شمار ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈی این اے کو سائنسی بنیادوں پر پرکھنے اور اس کے بارے میں ٹیسٹ کی داغ بیل غیر مسلموں نے ڈالی تھی لیکن ہمیں ایک دفعہ یہ سوچنا ہو گا کہ غیر مسلموں کی رکھی گئی اس بنیاد میں استعمال ہونے والی ساری چیزیں مباح ہیں یا حرام، اگر مباح ہیں تو ہمیں اس سے فائدہ ضرور اٹھانا چاہیے کیونکہ ڈی این اے ٹیسٹ کا تعلق کسی مذہبی عقیدے کے اثبات یا تردید کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق دنیا کے ہر مذہب کے پیروکاروں کے متعدد مسائل کے ساتھ ہے اور یہ مسائل مشترکہ ہیں۔ ان مشترکہ مسائل کا حل اگر انسانوں نے نکال لیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ان کے عقیدے یا مذہب کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سائنسی خدمت کے عوض ان کا شکریہ ادا کریں اور ان کی اس تحقیق کو خاندانی، سماجی اور قانونی فلاح کے لیے استعمال کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا ہے وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا ہے[12]۔ یہاں یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ماہرین کے نزدیک جب ڈی این اے کا طریقہ شناخت تجرباتی مرحلے سے گزر گیا اور پایہ ثبوت تک پہنچ گیا تب مغرب کے عدالتی نظاموں نے اس کو اپنایا تھا۔ بالفاظ دیگر محض سائنسی انکشاف پر تکیہ نہیں کیا گیا بلکہ بار بار کے تجربوں اور تجزیوں کے بعد جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کے نتائج میں غلطی واقع نہیں ہوتی، تب ڈی این اے ٹیسٹ عدالتی فیصلوں کی راہ پا سکا۔

چوتھا نکتہ: مادی شہادت: ڈی این سے ٹیسٹ کا طریقہ کار بظاہر کسی مکروہ یا حرام امر پر مشتمل نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کو اپنانا شرعی نقطہ نظر سے جائز اور صحیح ہو گا۔ اسلامی فقہ کا بنیادی ضابطہ یہی ہے کہ: الاصل فی الاشیاء الاباحۃ حتی یدل الدلیل علی التحریم اشیاء میں اصل اباحت ہے یہاں تک کہ دلیل سے اس کی حرمت ثابت ہو جائے[13]۔ اسی طرح یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ میں اشتباہ کا امکان نہیں ہے الا یہ کہ دو جڑواں بھائیوں کو اگر اس ٹیسٹ سے گزارا جائے تو اشتباہ ممکن ہے۔ اب سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ کیا اس مادی اور مضبوط دلیل کی شریعت کی نظر میں کوئی اہمیت ہونی چاہیے؟ کیا اس مادی دلیل کی بنا پر نسب ثابت ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں امام زرعی فرماتے ہیں: **لم یزل الائمة والفقها یحکمون بالقطع اذا وجد المال المسروق مع المتهم، وهذه القرینة اقوی من البینة والاقرار، فانهما خبر ان یتطرق الیهما الصدق والکذب ووجود المال معه نص صریح لا ئتطرق الیه شبهة**[14] اس عبارت میں امام موصوف نے مادی دلیل کو شہادت اور اقرار سے بھی مضبوط دلیل مانا ہے اور ایسی دلیل کو قبول کرنے کے حوالے سے آئمہ وفقہا کا تعامل نقل فرمایا ہے۔ ثبوت نسب کا مسئلہ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، غلبہ ظن اور شبہہ پر مبنی ہے اس لیے ڈی این اے ٹیسٹ جیسے یقینی نظام پر بدرجہ اولیٰ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

دوسری مبحث: ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کے حوالے سے کچھ شرائط:

پہلی شرط: جب ڈی این اے ٹیسٹ کا مقصد صاحبِ فراش کی ولدیت کو باطل ٹھہرانا ہو تو اس صورت میں اس کا استعمال جائز نہیں ہو گا۔ اس کو اس وقت بھی استعمال کے اعتبار سے ناجائز قرار دیا جائے گا جب اس کا مقصد تسامع، گواہی یا اقرار کے ذریعے ثابت ہونے والی ولدیت کو باطل ٹھہرانا ہو۔ یہ صرف اسی صورت میں جائز قرار پائے گا جب معاملہ مشتبہ ہو جائے۔ مشتبہ سے مراد درج ذیل صورتیں ہیں:

- جس طرح گری پڑی چیز انسان کو بعض اوقات مل جاتی ہے اور اس کی ملکیت کے کئی لوگ دعوے دار ہوتے ہیں اسی طرح اگر کوئی بچہ کہیں گرا پڑا مل جائے (جس طرح ایدھی ہومز کے باہر پڑی ہوئی ٹوکریوں میں لوگ بچے پھینک جاتے ہیں)، اور اس بچے کی ولدیت کے دو دعوے دار ہوں اس وقت ڈی این اے ٹیسٹ کیا جائے گا۔
- اگر ایک عورت کے ساتھ، ایک ہی طہر میں دو مردوں نے وطی کی ہو، اس کے بعد وہ عورت ماں بن گئی ہو، اس بچے کی ولدیت کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ ان دو دعوے دار مردوں میں سے بچے کا حقیقی والس کون ہے، اس صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کر کے پتہ چلایا جائے گا کہ ان میں سے حقیقی والد کون ہے۔
- دشمنی یا کسی اور وجہ کی بنا پر اگر کسی عورت کی عصمت دری ہو جائے اور اس کے نتیجے میں اس خاتون کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو جائے، اس صورت میں مدعیہ کے مطالبے پر ڈی این اے ٹیسٹ کر کے پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ عصمت دری کرنے والا مجرم کون ہے [15]۔

دوسری شرط: ڈی این ٹیسٹ کا استعمال محض مصالح کے لیے کیا جانا چاہیے۔ عدالت کے وہ مقدمات جن کہ جہت مثبت اور کسی مسئلہ کے حل کی جانب ہے ان کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ کیا جانا چاہیے۔ ثبوتِ نسب بھی ان میں سے ایک ہے [16]۔ دوسری جانب ایسے امور جن کا تعلق شرعی سزاؤں اور لوگوں کی عزتوں اور نسبوں کے خاتمے کے ساتھ ہے اور وہ امور مفاسد کی جانب راستے کھولتے ہیں، ان میں ڈی این اے ٹیسٹ پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کا تعلق لوگوں کی زندگیوں اور عزتوں کے ساتھ ہے۔ وہاں مادی اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ٹھوس ثبوت پیش کیے جانے چاہییں [17]۔ **تیسری شرط:** کسی بھی حادثے کا خبر کے بعد اگر کوئی ڈاکٹر یا سائنس دان ڈی این اے ٹیسٹ کرتا

ہے تو اس سائنس دان یا ڈاکٹر کا اپنے شعبے میں مہارت کے اعتبار سے مشہور ہونا لازم ہے۔ اس ماہر کے پاس متعلقہ مسئلہ کے تجربے کے کئی طریقوں کا ہونا بھی لازم ہے۔ قیافہ شناسی کے حوالے سے فقہانے کئی طریقے ذکر کیے ہیں۔ انہی طریقوں کی نظیر ڈی این اے ٹیسٹ میں بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً: ایسے آبا اور ابنا جن کا نسب پہلے سے ثابت ہو چکا ہو، کے کچھ نمونے اس ماہر کو دے دیے جائیں۔ اسی طرح اس کو کچھ ایسے نمونے بھی دیے جائیں جن کا آپس میں نسب ثابت نہیں ہے (یعنی وہ ایک خاندان کے نہ ہوں)، اس صورت میں اگر وہ ثابت شدہ نسب کے نمونوں کو آپس میں ملاتا ہے اور جن کا نسبی تعلق نہیں ہے ان کو الگ الگ رکھتا ہے، تو اس صورت میں اس کی خبر کے درست ہونے کو تسلیم کیا جائے گا[18]۔ **چوتھی شرط:** ڈی این اے ٹیسٹ کرنے والا مسلمان ہو، کیونکہ اس معاملہ میں اس کی رپورٹ ایک خبر یا روایت کا درجہ رکھتی ہے۔ جس طرح قبلے کی تعیین کے بارے میں اور وضو و غسل کے لیے پانی کی نجاست یا طہارت کے بارے میں کسی غیر مسلم کی بات نہیں مانی جائے گی اسی طرح اس طرح کے نازک معاملے میں جس کا تعلق مسلمان کے ساتھ ہے، غیر مسلم کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ یہ دینی امور ہیں جن پر کافر ایمان نہیں رکھتے ہیں اس لیے ان کی بات کو اس معاملہ میں بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا[19]۔
پانچویں شرط: ڈی این ٹیسٹ کا ماہر جب رپورٹ جاری کرے گا تو اس کی رپورٹ کو فوری طور پر درست تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ پہلے دو معروف ماہرین سے اس رپورٹ کے صحیح ہونے کی تصدیق کروائی جائے گی۔ یہ دونوں ماہرین جب اپنی آرائ پیش کریں گے تو ان کی راء میں اس رائے کو تسلیم کیا جائے گا جو سب سے زیادہ اعتماد اور احتیاط پر مبنی ہو گی[20]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ کی شرعی حیثیت گواہی کی طرح ہو گی اور دو سے کم گواہوں کی صورت میں گواہی قابلِ اعتماد نہیں ٹھہرتی ہے[21]۔ ایک رائے یہ بھی ظاہر کی جاتی ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ ایک سے زیادہ لیبارٹریز سے کروایا جائے۔ اگر ان سب کا نتیجہ ایک ہی آتا ہے تو اس صورت میں اس ٹیسٹ کو مستند سمجھا جائے اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے لیکن اگر ہر لیبارٹری کا نتیجہ مختلف ہو تو پھر لیبارٹریوں کی مشینری کی جانچ کی جائے گی اور ماہرین کی قابلیت کو بھی جانچا جائے گا۔ ماہرین کی مہارت میں نقص ہونے کی صورت میں نئے پختہ اور کہنہ مشق ماہرین کے ساتھ ان کو تبدیل کیا جائے گا اور اسی طرح مشینری میں کسی نقص کے نکلنے پر اس کو بھی تبدیل کیا جائے گا اور اس وقت تک یہ ٹیسٹ ہوتے رہیں گے جب تک تمام نتائج ایک جیسے نہیں ملتے ہیں۔ گواہی کے لیے لازم ہے کہ تمام گواہان کی گواہی ایک طرح کی ہو اس میں کوئی بھی گواہ دوسرے گواہ سے مختلف گواہی نہ دے۔ ایک خیال یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ بعض فقہانے جو تعداد کی قید لگائی ہے اس کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ جمہور کے نزدیک تعداد شرط نہیں ہے[22]۔ نیز مشینی ٹیسٹ میں بالعموم ایسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا کہ دوبارہ مشینی ٹیسٹ کروانے کی نوبت آئے۔ جب تک کہ مشین خراب نہ ہو اس کی رپورٹ عموماً درست ہی ہوتی ہے۔ محققین کے قول کے مطابق ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ ننانوے فیصد سے بھی زیادہ ہوتی ہے[23]۔ **چھٹی شرط:** جس لیب یا ماہرِ جینیات سے ڈی این اے ٹیسٹ کروایا جائے اس کا علم، اخلاق اور انصاف ثابت شدہ ہو۔ جس کے بارے میں ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جائے اس کے ساتھ ماہر کی نہ تو کسی قسم کی کوئی قرابت

اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی عداوت ہو۔ کیونکہ عداوت یا قرابت دونوں کی موجودگی میں بحر حال یہ احتمال موجود رہے گا کہ آیا یہ ماہر عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ سکتا ہے یا نہیں۔ اس کی امانت اور دیانت کا جب تک یقین نہ ہو جائے تب تلک اس سے نہ تو ٹیسٹ کروایا جائے گا اور نہ اس کی کسی رپورٹ پر اعتماد کیا جائے گا[24]۔ جب ماہر کے لیے عدالت اور دیانت کی شرط لگا دی گئی ہے تو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ڈی این اے کی اس بحث میں نتیجہ آجانے کے بعد والدین، بیوی، بیٹوں یا بیٹیوں کی کوئی بات قبول نہیں کی جائے گی[25]۔ **ساتویں شرط:** جس مشینری کے ذریعے ڈی این اے ٹیسٹ کیا جا رہا ہو، اس مشینری کا بالکل درست حالت میں فعال ہونا یقینی بنایا جائے گا۔ اگر اس مشینری کے صحیح ہونے کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو تو مشینری یا لیبارٹری تبدیل کر لی جائے گی۔ اس کا مقصد یہی ہو گا کہ سامنے آنے والے نتائج پر مشتمل رپورٹ صد فیصد درست ہو۔ یہ بھی لازم ہے کہ ضرورت کے وقت اگر جاری شدہ رپورٹ کی تصدیق مطلوب ہو تو اس کے لیے متعلقہ لیبارٹری ہمہ وقت خدمات کے لیے حاضر ہو[26]۔ **آٹھویں شرط:** جب کوئی شخص کسی کا نسب اپنے سے ثابت کرنا چاہے اور اس کا اقرار کرے، مقر لہ بھی اس کی تصدیق کرے یا وہ اتنا چھوٹا ہو کہ تصدیق کرنے کی اہلیت ہی نہ رکھے اور عقلا و شرعا یہ اقرار ممکن بھی ہو تو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے ڈی این اے ٹیسٹ نہیں کیا جائے گا۔ **نویں شرط:** اگر کوئی دوسرت سے نسب ثابت کرنا چاہے، مثلا یہ اقرار کرے کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے تو جمہور کے مذہب کے مطابق اگر اس کے پاس بینہ اور شہادت موجود ہے تو اس کے مطابق فیصلہ ہو گا لیکن اگر شہادت موجود ہی نہیں ہے تو ڈی این اے ٹیسٹ جیسی یقینی چیز پر اعتماد کیا جائے گا۔ **دسویں شرط:** شہادت اور اقرار کے منصوص حجت ہونے کی وجہ سے ڈی این اے ٹیسٹ کے نتیجہ اور شہادت و اقرار کے درمیان تعارض ہو تو شہادت اور اقرار کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ **گیارہویں شرط:** اگر دو اشخاص کسی بچہ کے نسب کے بارے میں اختلاف کریں اور دونوں کے پاس بینہ ہو تو بجائے قائف پر اعتماد کرنے یا دونوں سے نسبت ثابت کرنے کے، ڈی این اے ٹیسٹ پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔ درج بالا شرائط پر عمل کرنے کی صورت میں ڈی این اے کو بطور ثبوت نسب شرعا قبول کیا جائے گا۔

---

[1] دکتور محمد سلیمان الاشقر، ابحاث اجتھادیۃ فی الفقہ الطبی، بحث بعنوان "اثبات النسب بالبصمۃ الوراثیۃ"، دار النفائس، الاردن، طبع اول 2006، صفحہ نمبر 263

[2] حم السجدہ:53

[3] الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 549

[4] اِخرجہ البخاری (6771)، ومسلم (1459)

[5] نیل الاوطار، جلد نمبر 7، صفحہ نمبر 18، الموسوعۃ الفقہیہ، جلد نمبر 24، صفحہ نمبر 95

[6] الفقہ الاسلامی وادلتہ، جلد نمبر 6، صفحہ نمبر 644

[7] سیمینار "ڈی این اے ٹیسٹ اور جنیٹک سائنس سے متعلق شرعی مسائل، شائع کردہ: ایفا پبلی کیشنز، دہلی، بھارت، صفحہ نمبر 340

[8] الجامع الاحکام القرآن للقرطبی، جلد نمبر 9، صفحہ نمبر 173

[9] یوسف:28، 27
[10] ابن فرحون، تذکرۃ الحکام، جلد نمبر3، صفحہ نمبر97
[11] مجلۃ الفقہ الاسلامی، السنۃ الرابعۃ عشرۃ، العدد السادس عشر، صفحہ نمبر54
[12] سنن ابو داؤد، حدیث نمبر4811
[13] جلال الدین السیوطی، الاشباہ النظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، صفحہ نمبر60
[14] محمد بن ابو بکر الزرعی الدمشقی، الطرق الحکمیۃ، مطبعۃ المدنی، قاہرۃ، صفحہ نمبر389
[15] دکتور محمد سلیمان الاشقر، ابحاث اجتہادیۃ فی الفقہ الطبی، صفحہ نمبر269
[16] دکتور عبد الرشید محمد امین، البصمۃ الوراثیۃ واثبات النسب، صفحہ نمبر4
[17] دکتور عمر بن محمد السبیل، البصمۃ الوراثیۃ ومدی مشروعیۃ اتخدامھا فی النسب والجنایۃ، صفحہ نمبر4
[18] ابحاث اجتہادیۃ فی الفقہ الطبی، صفحہ نمبر265
[19] ایضا
[20] البصمۃ الوراثیۃ واثبات النسب، صفحہ نمبر4
[21] ابحاث اجتہادیۃ فی الفقہ الطبی، صفحہ نمبر266
[22] تبصرۃ الحکام، جلد نمبر2، صفحہ نمبر108
[23] محمد شعیر، تحقیق الھنائی العلمی والعملی، صفحہ نمبر211 دکتور وہبہ زحیلی، البصمۃ الوراثیۃ ومجالات الاستفادہ عنہا، صفحہ نمبر20
[24] دکتور عبد الرشید امین، البصمۃ الوراثیۃ، صفحہ نمبر4
[25] ابحاث اجتہادیۃ فی الفقہ الطبی، صفحہ نمبر265
[26] البصمۃ الوارثیۃ، صفحہ نمبر5

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.